اسلامی جمہوریہ پاکستان میں امن وسلامتی کا قیام (عصر حاضر کے تناظر میں)

Establishment of Peace and Security in the Islamic Republic of Pakistan (In Contemporary Context)

Dr.Hafiz Muhammad Imran
PhD. Islamic Studies, Lahore Garrison University, Lahore

Abstract:

The journey of establishment of Pakistan started from the early 17th century and continued till the middle of 20th century. What does Pakistan mean? There is no god but Allah. Under this slogan, Pakistan came into being, in which millions of people sacrificed their lives for the survival of this ideology, the aim of which was to establish the system of Allah on this earth, where the system of justice prevails. May the rulers and the people of this country submit to obedience to Allah and His Messenger and adhere to Islamic law. Islam is a religion of peace and security. The Qur'an and Sunnah have taught us the lessons of peace, harmony, unity and brotherhood. The enemies of Islam, Islam and Pakistan cannot stand. They want to weaken and defeat the Muslims by fighting among themselves. Allah Almighty has naturally endowed Pakistan with all the resources that are sufficient to meet all the needs of the people here. Every school of thought is free in Asia and especially in Pakistan. Here, in general, every group is a follower of religion and they consider themselves one hundred percent right and the other one hundred percent wrong. For this reason, the establishment of peace and security is not visible from afar. Work together for peace and stability of Pakistan.

Keywords:

Quran Majeed ,Hadith ,Pakistan, establishment of peace and security.

پاکستان کے قیام کا سفر سترہویں صدی کے اوائل سے شروع ہو کر بیسویں صدی کے وسط تک جاری و ساری رہا۔ پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الہ الا اللہ۔ اس نعرے کے تحت پاکستان معرض وجود میں آیا، جس میں لاکھوں لوگوں نے اس نظریہ کی بقاء کے لئے اپنی جانیں نچھاور کیں، جس کا مقصد اس سرزمین پر اللہ کا نظام قائم کرنا تھا، جہاں نظام عدل کا بول بالا ہو۔ یہاں کے حکمران اور عوام اللہ تعالی اور اس کی رسول ﷺ کی اطاعت میں سر تسلیم خم ہوں اور شریعت اسلامیہ پر مکمل طور پر کاربند ہوں ۔ اسلام امن وسلامتی کا دین ہے۔ وہ ہر قسم کی دہشت گردی، تفرقہ بازی، قتل وغارت اور بدامنی کے خلاف ہے۔ قرآن و سنت نے امن وسلامتی، اتفاق و اتحاد اور بھائی چارے کا سبق سکھایا ہے۔ دشمنان اسلام، اسلام اور پاکستان کا وجود برداشت نہیں کر سکتے۔ وہ مسلمانوں کو آپس میں لڑا کر کمزور اور ناکام کرنا چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سرزمین پاکستان کو قدرتی طور پر تمام وسائل سے نوازا ہے، جو یہاں کے باشندگان کی تمام ضروریات پوری کرنے کے لئے کافی ہیں۔ براعظم ایشیاء اور خاص طور پر پاکستان میں ہر مکتب فکر آزاد ہے۔ یہاں بالعموم ہر گروہ دین کا علمبردار بنا ہوا ہے اور وہ اپنے آپ کو سو فیصد درست اور دوسرے کو سو فیصد غلط سمجھتا ہے۔ اس وجہ سے امن وسلامتی کا قیام دور دور تک دکھائی نہیں دیتا۔ اس آرٹیکل میں امن وسلامتی کی ضرورت واہمیت اور اس کے قیام کے لئے کچھ آراء و تجاویز پیش کی گئی ہیں، تاکہ تمام مکاتب فکر ہم

آواز ہو کر اسلام کی سربلندی اور پاکستان کے امن و استحکام کے لئے مل جل کر کام کریں۔ اس طرح دشمنان اسلام اپنے ناپاک ارادوں میں ناکام ونامراد ہوں گے۔

امن کی حقیقت:

امن باب سمع سے مصدر کا صیغہ ہے اور اس کے معنی ہیں امن دینا۔ یہ خوف اور خیانت کی ضد ہے جس کے معنی ہیں امن کی جگہ۔[1] امن کے لفظی معنی ہیں چین، اطمینان، سکون وآرام نیز صلح، آشتی وفلاح کے۔ اسی طرح امن بجائے خود لفظ اسلام میں داخل ہے، جس کے معنی ہیں دائمی امن وسکون اور لازوال سلامتی کا مذہب۔[2]

اسلام میں امن کا تصور بہت واضح ہے۔ دیگر ادیانِ عالم اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَاِذْ قَالَ اِبْرٰہِیْمُ رَبِّ اجْعَلْ ہٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّ اجْنُبْنِیْ وَ بَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَالْاَصْنَامَ"۔[3] "اور جس وقت کہا ابراہیم نے اے رب کر دے اس شہر کو امن والا اور دور رکھ مجھ کو اور میری اولاد کو اس بات سے کہ ہم پوجیں مورتوں کو" دوسری جگہ ارشاد ہے۔

"مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَکَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا ؕ وَ مَنْ اَحْیَاہَا فَکَاَنَّمَاۤ اَحْیَا النَّاسَ جَمِیْعًا"۔[4]
"جس نے قتل کیا کسی انسان کو بغیر کسی انسان کے بدلے کے، یا بغیر کسی فساد پھیلانے کے زمین میں، تو اس نے گویا قتل کر دیا سب لوگوں کو، اور (اس کے بالمقابل) جس نے جان بچائی کسی ایک انسان کی تو اس نے گویا زندگی بخش دی سب انسانوں کو"

اسلام:

اسلام کا مادہ س، ل، م، سَلَم سے ماخوذ ہے۔ اسی مادہ کے باب اِفعال سے لفظ 'اسلام' بنا ہے۔ جس کے معانی امن اور سلامتی کے ہیں، جس لفظ میں یہ تین حروف پائے جاتے ہیں وہ امن اور سلامتی کے ہی معنی دیتا ہے۔[5] اسلام کا مطلب ماننا، تسلیم کرنا، جھکنا اور خود سپردگی واطاعت اختیار کرنا ہے۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "اِذْ قَالَ لَہٗ رَبُّہٗ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ"۔[6] "اور جب ان کے رب نے ان سے فرمایا: (میرے سامنے) گردن جھکا دو، تو عرض کرنے لگے: میں نے سارے جہانوں کے رب کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا" حدیث نبوی میں ﷺ ہے: "اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِہٖ وَیَدِہٖ۔"[7] "مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔"

مندرجہ بالا معانی کے لحاظ سے لغوی طور پر اسلام سے مراد امن پانا، سر تسلیم خم کرنا، صلح وآشتی اور بلندی کے ہیں۔ یعنی خود کو احکام الٰہی کے سامنے مکمل سپرد کر دینا اور یوں معاشرے میں سلامتی کا مظہر بن جانا ہی اسلام ہے۔ اسلام وہ دین اور قانون ہے جس میں سراسر امن، سلامتی اور اطاعت وفرماں برداری ہے۔

نظامِ امن کا قیام:

آپ ﷺ کی بعثتِ مبارکہ بین الاقوامی زندگی میں بھی انقلاب برپا کرنے کے لیے ہوئی۔ یہ انقلاب کیسے پیدا کرنا تھا؟ اس حوالے سے اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:هُوَ الَّذِيٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ لا وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ8.

"وہی (اللہ) ہے جس نے اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اس کو ہر دین پر غالب کردے اگرچہ مشرکین کو برا لگے۔"

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ کے نزدیک وہ دین جس کو لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ تمام انسانی کائنات پر غالب کرنا ہے وہ دین کیا ہے؟ قرآن اس کے جواب میں کہتا ہے:اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ9 "بے شک دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔" اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین درحقیقت اسلام ہے اور دین سے مراد نظام ہے۔ لہٰذا نظامِ دین سے مراد نظامِ امن ہے۔

اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی ذات بابرکات کے ذریعے پوری دنیا پر ایسا نظام قائم کردو کہ جو امن والا ہو، یعنی پوری دنیا کو امن کا گہوارہ بنادو۔ ایسا نظام قائم کردو کہ جہاں پر ہر مذہبی طبقہ احترام محسوس کرے، جہاں پر ہر مذہب کی عزت ہو، ہر شخص اپنے مذہب کے مطابق عبادت کرسکے، ہر کسی کی عبادت گاہوں کا تحفظ ہو، ہر ایک کی مذہبی و دینی شخصیات اور بانیانِ دین کی عزت و ناموس کی حفاظت ہو، ہر ملک، ہر مذہب کی عزت کرنا جانتا ہو، باہمی احترامِ انسانیت ہو، ہر ملک امن کے دائرے میں رہے، وہ کسی پر جنگ مسلط نہ کرے اور نہ کسی کے نظامِ سیاست یا نظامِ معیشت میں مداخلت کرے۔

ریاست مدینہ کو پہلی اسلامی ریاست بناتے ہوئے وہاں سیاسی انقلاب برپا کرکے دکھایا اور روئے زمین پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واحد سب سے عظیم راہنما بن گئے کہ جو اللہ رب العزت کے سب سے بڑے مطیع ہیں یعنی حکومت میں آکر خدا کی اطاعت کرکے دکھائی۔ فتح مکہ کے موقع پر اپنے دشمنوں کو معاف فرمادیا۔ گویا اپنے دشمن کو معاف کردینا بھی اطاعتِ خداوندی ہے۔ لہٰذا بغض اور غصہ پال کر بدلہ لینا انحراف ہے جبکہ فاتحانہ شان سے معاف کردینا یہ انقلاب ہے۔ پھر تاجدار کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سوا لاکھ افراد کے سامنے عظیم بین الاقوامی خطبہ ارشاد فرما کر بین الاقوامی دنیا کے اندر بھی انقلاب برپا کردیا۔ فرمایا کسی قوم کو نسل کی بنیاد پر دوسری قوم پر فخر نہیں ہے۔ فخر بس اُس پر ہے جو خدا کے قریب ہے۔ خطبہ حجۃ الوداع درحقیقت بین الاقوامی قیادت کے لیے تھا۔ اس خطبے نے تمام ممالک کو اور اِس کرہ ارض پر رہنے والی ہر قوم کو جینے اور جینے دو کا فلسفہ سمجھادیا کہ نہ کسی کے کام میں مداخلت کرو، نہ اپنے کام میں مداخلت ہونے دو۔ لہٰذا اگر دنیا کی زندگی ایسی ہوجائے تو پھر وہ نظامِ امن قائم ہوجائے گا۔

اقامت دین:

علامہ اصفہانی کے نزدیک:

"اقامۃ الشئی توفیہ وقال قل یاھل الکتاب لستم علی شئی حتیٰ تقیمو التورۃ والانجیل ای توفون حقوقھا باالعلم ولعمل"۔10

"کسی چیز کو قائم کرنے کا مطلب ہے کہ اس کے حقوق اچھی طرح پورے کر دیے جائیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:" اے پیغمبر کہ دو اے اہل کتاب کہ تم کسی اصل پر نہیں ہو جب تک کہ تورات اور انجیل کو قائم نہ کر لو۔ یعنی جب تک علمی اور عملی دونوں حیثیتوں سے ان کے حقوق ادا نہ کر دو" مولانا وحید الدین خان کے نزدیک اقامت کا مفہوم یہ ہے کہ کسی کام کا حق ادا کرنا، اس کو ٹھیک ٹھیک انجام دینا۔[11] اقامت دین اصل میں دو لفظوں سے مرکب ہے، ایک اقامت اور دوسرا دین۔ دونوں کے معنی و مفہوم الگ الگ ہیں۔[12] لہٰذا اس بنا پر دونوں لفظوں (جن کے اشتراک سے اقامت دین کی اصطلاح وجود میں آئی) کا الگ الگ معنی اور مفاہیم واضح کرنا بہت ضروری ہے۔ اقامت کے معنی قائم کرنا، عمل درآمد کرنا، قیام اور نافذ کرنا کے ہیں۔ اس معنی کو اقامت الصلوۃ کے مفہوم کی رو سے نماز کی اقامت یہ ہو گی کہ اسے اس کے تمام ظاہری آداب و شرائط اور سارے باطنی محاسن کے ساتھ ادا کیا جاتا رہا ہے۔ اس طرح نماز کا جو مقصد ہے وہ حاصل ہوتا رہے۔ لہٰذا دین کی اقامت یہ ہوئی کہ اس کے ماننے والے علمی اور عملی دونوں حیثیتوں سے اس کے ماننے کا حق ادا کر دیں۔[13] اسی ضمن میں مولانا اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں:

"نہ وہ سیکولر نظریہ درست ہے کہ سیاست و حکومت میں دین کا کوئی عمل دخل نہیں ہونا چاہیے اور نہ یہ خیال صحیح ہے کہ دین کا اصلی مقصد سیاست و حکومت ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ دین کا اصلی مقصد بندے کا اپنے اللہ سے تعلق قائم کرنا ہے جس کا اظہار عبادات و اطاعات کے ذریعے ہوتا ہے۔ سیاست و حکومت بھی اسی مقصد کی تحصیل کا ایک ذریعہ ہے جو نہ بجائے خود مقصد ہے اور نہ اقامت دین کا مقصد اس پر موقوف ہے بلکہ حصول مقاصد کے وسائل میں سے ایک وسیلہ ہے۔ لہٰذا اسلام میں وہی سیاست و حکومت مطلوب ہے جو اس مقصد میں مدد و معاون ہو۔ اس کے برعکس جو سیاست اس مقصد کو پورا کرنے کی بجائے دین کے اصل مقصد میں کتر بیونت کر کے انہیں مجروح کرے، وہ اسلامی سیاست نہیں خواہ اس کا نام اسلام رکھ دیا گیا ہے۔"[14]

اقامت اور دین کے معنی و مفہوم کو سامنے رکھتے ہوئے اقامت دین کا مطلب خود بخود سمجھ میں آجاتا ہے۔ اقامت کے معنی عملی، فکری اور عملی حیثیتوں سے پورا پورا حق ادا کرنے کے ہیں اور دین کا مفہوم اللہ تعالیٰ کی ایسی کامل اطاعت ہے جس سے زندگی کا ایک گوشہ بھی بے تعلق نہیں رہتا۔ لفظ اقامت صلوۃ سے مراد صرف نماز کو پڑھنا ہی نہیں بلکہ اس کے مکمل نظام کو نافذ کرنا ہے، جس کا حکم دیا گیا ہے۔ اسی طرح دین اسلام فقط دل و زبان سے قبول کرنے کا نام نہیں بلکہ اس کے تمام عقائد، احکامات، اعمال، اجزا اور شعبہ جات پر عمل کرنا ضروری اور واجب ہے۔ دین کے محض کسی ایک حصے پر عمل کرنا بھی دین کا مکمل قیام نہیں کہلائے گا۔

قیام امن بذریعہ تجدید:

اس کار تجدید کے مختلف شعبے حسب ذیل ہیں:

اپنے اردگرد ماحول کی صحیح تشخیص:

یعنی حالات کا پورا جائزہ لے کر یہ سمجھنا کہ جاہلیت کہاں کہاں کس حد تک سرایت کر گئی ہے، کن کن راستوں سے آئی ہے۔اس کی جڑیں کہاں کہاں کتنی گہرائی تک پھیل چکی ہیں اور اسلام اس وقت ٹھیک کس حالت میں ہے۔

اصلاح کی تجویز:

یہ تعین کرنا کہ اس وقت کہاں ضرب لگائی جائے کہ گرفت ٹوٹے اور اسلام کو پھر اجتماعی زندگی پر گرفت کا موقع ملے۔

خود اپنی حدود کا تعین:

اپنے آپ کو تول کر صحیح اندازہ لگانا کہ میں کتنی قوت رکھتا ہوں اور کس راستہ سے اصلاح کرنے پر قادر ہوں۔

ذہنی انقلاب کی کوشش:

یعنی لوگوں کے خیالات کو بدلنا،عقائد وافکار اور اخلاقی نقطہ نظر کو اسلام کے سانچے میں ڈھالنا،نظام تعلیم وتربیت کی اصلاح اور علوم اسلامی کا احیا کرنا اور فی الجملہ اسلامی ذہنیت کو از سر نو تازہ کر دینا۔

عملی اصلاح کی کوشش:

جاہلی اور غیر اسلامی رسوم کو مٹانا، اخلاق کا تزکیہ کرنا، اتباع سنت و شریعت کے جوش سے پھر لوگوں کو سرشار کر دینا اور ایسے افراد تیار کرنا جو اسلامی طرز کے لیڈر بن سکیں۔

اجتہاد فی الدین:

دین کے اصول کلیہ کو سمجھنا، اپنے وقت کے تمدنی حالات اور ارتقائے تمدن کی سمت کا اسلامی نقطہ نظر سے جائزہ لینا اور یہ تعین کرنا کہ اصول شرع کے ماتحت تمدن کے پرانے متوارث نقشے میں کس طرح ردوبدل کیا جائے جس سے شریعت کی روح برقرار رہے، اس کے مقاصد پورے ہوں اور تمدن کے صحیح ارتقاء میں اسلامی دنیا کی امامت کر سکے۔

دفاعی جدوجہد:

اسلام کو مٹانے اور دبانے والی سیاسی طاقت کا مقابلہ کرنا اور اس کے زور کو توڑ کر اسلام کے لئے ابھرنے کا راستہ پیدا کرنا۔

احیائے نظام اسلامی:

جاہلیت کے اقتدار سے جاہلیت کی کنجیاں چھین لینا اور از سر نو حکومت کو عملاً اس نظام پر قائم کرنا جسے صاحب شریعت ﷺ نے خلافت علی منہاج النبوۃ کے نام سے موسوم کیا ہے۔

عالمگیر انقلاب کی کوشش:

یعنی صرف ایک ایک یا ان ممالک میں جہاں مسلمان پہلے سے موجود ہوں، اسلامی نظام کے قیام پر اکتفانہ کرنا بلکہ ایک ایسی طاقتور عالمگیر تحریک برپا کرنا جس سے اسلام کی اصلاحی وانقلابی دعوت عام انسانوں میں پھیل جائے۔ وہی تمام دنیا کی غالب تہذیب بنے۔ ساری دنیا کے نظام تمدن میں اسلامی امارت وریاست اسلام کے ہاتھ میں آجائے۔15

قیام امن میں فرد کا کردار:

امن کے قیام کے نفاذ کے لئے امت مسلمہ کے ہر فرد سے کچھ انفرادی اعمال مطلوب ہیں جو کہ درج ذیل ہیں:

اپنی شخصیت کی تعمیر کرے، اس کی فکر پختہ اور متوازن ہو، حصول معاش اور کسب حلال پر قادر ہو، اچھے عقیدے، اخلاق اور اعمال کا حامل ہو، ریاکاری سے دوری کو پسند کرتا ہو اور وقت کا قدردان ہو۔ وہ اپنے معاشرے میں ایک مسلم خاندان کی تشکیل کرے۔ وہ خانگی زندگی کے سارے گوشوں میں اسلامی احکامات واقدار اور آداب کا پاس ولحاظ رکھنے پر انہیں آمادہ کرے۔ وہ اپنی اولاد اور دیگر ماتحت لوگوں کی اصلاح وتربیت کرنے اور اسلامی اصول ومبادی پر ان کی پرورش کرنے کی تلقین کرے۔

وہ معاشرے کی اصلاح میں اپنا کردار ادا کرے۔ معاشرے میں موجود افراد کو دعوت خیر، بھلائی کی تلقین اور خیر کے کاموں میں باہم مسابقت کرنے پر حوصلہ افزائی کرے۔

وہ اپنے معاشرے میں موجود ہر اجنبی، غیر اسلامی اقتدار سے اپنے وطن کو آزاد کروائے۔ سازشی ٹولے کے خاتمہ کی ہر ممکن کوشش کرے۔

وہ حکومت کی اصلاح کرے، یہاں تک کہ وہ اسلامی حکومت بن جائے۔ حکومت کے ہر اس فعل و عمل کی مخالفت کرے جو اسلامی اقدار کو پامال کرنے کی کوشش کرے۔

وہ امت مسلمہ کی بین الاقوامی حیثیت کو بحال کرانے میں اپنا کردار ادا کرے۔ اقامت دین کی راہ کو ہموار کرنے کے لئے وہ سارے عالم کی راہبری اور معلمی کا فریضہ سرانجام دے اور وہ دعوت اسلامی کو زمین کے چپے چپے، ہر کونے پر اس طرح پھیلا دے کہ کہیں شرک کا نام تک باقی نہ رہے اور ہر جگہ اطاعت الٰہی کا جان نواز منظر نظر آنے لگے۔

ظلم کی روک تھام:

اسلام میں امن وسکون کی اتنی فضیلت بیان کی گئی ہے اور ظلم وستم سے اس روئے زمین کو پاک کرنے کی اتنی واضح ہدایات دی گئی ہیں کہ دیگر مذاہب عالم اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہیں:

"اسلام نے پہلی بار دنیا کو امن ومحبت کا باقاعدہ درس دیا اور اس کے سامنے ایک پائیدار ضابطۂ اخلاق پیش کیا، جس کا نام ہی "اسلام" رکھا گیا یعنی دائمی امن وسکون اور لازوال سلامتی کا مذہب۔ یہ امتیاز دنیا کے کسی مذہب کو حاصل نہیں۔ اسلام نے مضبوط

بنیادوں پر امن وسکون کے ایک نئے باب کا آغاز کیا اور پوری علمی و اخلاقی قوت اور فکری بلندی کے ساتھ اس کو وسعت دینے کی کوشش کی۔ آج دنیا میں امن وامان کا جو رجحان پایا جاتا ہے اور ہر طبقہ اپنے اپنے طور پر کسی گہوارائے سکون کی تلاش میں ہے، یہ بڑی حد تک اسلامی تعلیمات کی عطا ہے۔"[16] اسلام میں ظلم کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا، بلکہ اس کے برعکس یہ کہنا زیادہ موزوں ہو گا کہ اسلام دنیا میں آیا ہی ظلم کے استیصال اور اس کی بیخ کنی کے لیے ہے، خواہ وہ کسی بھی سطح پر موجود ہو۔ چونکہ اللہ رب العزت کی ذات رحمن ورحیم ہے اور پیغمبر آخر الزماں رحمۃ للعالمین۔ لہٰذا دونوں کی انتہائے رحمت کے نتیجے میں اسلامی تعلیمات محبت وشفقت، رحمت ورافت کا سرچشمہ بن گئیں۔ اسلامی تعلیمات پوری کائنات کے لیے امن وسلامتی، اتحاد واتفاق، احترام آدمیت، ہمدردی وغم خواری، وحدت ومساوات، رحم وکرم، عفوودرگزر، صلح وآشتی، عدل وانصاف، سکون واطمینان اور پرامن بقائے باہمی و لامتناہی ثابت ہوئیں۔ مذکورہ خوبیاں جن سے اسلام متصف ہے، دراصل امن کے لیے خمیر کی حیثیت رکھتی ہیں، جن سے صرف نظر کر کے امن کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

عفوودرگزر:

عفوودرگزر ایک ایسا اقدام ہے جو امن کے لئے ریڑھ کی ہڈی کی مانند ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: خُذِ الْعَفْوَ وَ اْمُرْ بِالْعُرْفِ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْجٰہِلِیْنَ۔[17] (عفو (ودرگزر) ہی کو اپنائے رکھو، آپ (اے پیغمبر!) نیکی کی تلقین کرتے رہو، اور کنارہ کش رہو جاہلوں (کے الجھاؤ) سے) حضرت عائشہؓ سے روایت ہے: "وَمَا اَنتقم رسول اللہ ﷺ لنفسہ فی شئیٍ قط الا ان تنتھک حرمۃ اللہ فینتقم للہ تعالیٰ"[18]، رسول اللہ ﷺ نے اپنی ذات کے لئے کسی معاملے میں کبھی انتقام نہیں لیا مگر یہ کہ اللہ کی حرمت کو توڑا (محرمات کا ارتکاب کیا) جا رہا ہو تو اللہ کے لئے آپ ﷺ انتقام لیتے "سرزمین عرب میں خاص طور پر قتال وجدال کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ اس وقت رکا، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور اولیں قربانی خود پیش کی اور اپنے خاندان پر ہونے والے مظالم کو فراموش کر دیا اور سب کو معاف کر دیا: "ارباب سیر نے تصریح کی اور تمام واقعات شاہد ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی سے اپنی ذات کے لئے انتقام نہیں لیا.... قریش نے آپ کو گالیاں دیں، مارنے کی دھمکی دی، راستوں میں کانٹے بچھائے، جسم اطہر پر نجاستیں ڈالیں، گلے میں پھندا ڈال کر کھینچا، آپ کی شان میں گستاخیاں کیں، نعوذ باللہ کبھی جادوگر، کبھی پاگل، کبھی شاعر کہا، لیکن آپ نے کبھی ان کی باتوں پر برہمی ظاہر نہیں فرمائی۔"[19]

فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ نے سب کو معاف کر دیا اور فرمایا: "لا تثْریب علیکم الیوم فانتم الطَّلَقَاءَ"[20] (تم پر کوئی ملامت نہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عربوں جیسی وحشی اور جنگجو قوم کو امن اور بھائی چارے کا درس دیا۔ لہٰذا آج امت مسلمہ کو آپس میں شفقت و رحمت، امن وسلامتی اور اتفاق واتحاد کے ساتھ زندگی گزارنی چاہئے۔

رواداری:

قیام امن میں رواداری، حسن سلوک اور حقوق کی پاسبانی بھی اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ اس امر کی وضاحت کی ضرورت نہیں کہ ان تینوں بنیادی امور کے محاذ پر بھی اسلام مکمل راہنمائی کرتا ہے۔ اسلام بلاشبہ نہ صرف اپنوں بلکہ دوسروں کے لیے بھی رحیم وشفیق بننے کی ہدایت کرتا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَ اَحۡسِنۡ کَمَاۤ اَحۡسَنَ اللّٰہُ اِلَیۡکَ"۔[21](تم دوسروں کے ساتھ نیکی اور بھلائی کرو جیسا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ بھلائی کرتا ہے)"

اسلام راواداری، محبت، شائستگی، شرافت اور معقولیت کی تعلیم ضرور دیتا ہے، لیکن ایسی عاجزی اور مسکینی کی بھی تعلیم نہیں دیتا کہ اس کے پیروکار ہر ظالم کے لیے نرم چارہ بن کر رہ جائیں۔"[22] اسلام دین رحمت ہے۔ اس کا دامن محبت ساری انسانیت کو محیط ہے۔ اسلام نے اپنے پیروکاروں کو سخت تاکید کی ہے کہ وہ دیگر اقوام اور اہل مذاہب کے ساتھ مساوات، ہمدردی، غمخواری اور رواداری کا معاملہ کریں اور اسلامی نظام حکومت میں ان کے ساتھ کسی طرح کی زیادتی اور امتیاز کا معاملہ نہ کیا جائے۔ ان کی جان ومال عزت وآبرو، اموال وجائیداد اور انسانی حقوق کی حفاظت کی جائے۔

جہاد اور امن کا قیام:

جہاد کا حکم اسلامی شریعت میں اللہ تعالیٰ نے بڑی مصلحتوں کے پیش نظر بڑے حدود وقیود کے ساتھ دیا ہے، جس کا مقصد یہ ہے کہ اللہ کی بنائی ہوئی دنیا فتنہ وفساد سے پاک ہو کر امن و سلامتی کا گہوارہ بن جائے۔ جہاد کے درج ذیل چند بنیادی مصالح سے اس کی حکمت واضح ہو جاتی ہے:

۱۔ جہاد لوگوں کو جبراً مسلمان بنانے کے لیے نہیں بلکہ اسلام کی عزت اور ناموس کی حفاظت کے لیے ہے.... تلوار، تیر اور خنجر سے کوئی عقیدہ قلب میں نہیں اتر سکتا.... بلکہ اگر اسلام کو تلوار اور تیر سے پھیلایا جاتا تو اسلام پھیلنے کے بجائے کمزور ہوتا اور لوگ اپنے اس قاتل مذہب کے دشمن بن جاتے۔

۲۔ بعثت کے بعد مکہ مکرمہ میں ۱۳ سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام رہا۔ اسی زمانے اور اسی حالت میں صدہا قبائل اسلام کے حلقہ بگوش ہوئے.... نجاشی بادشاہ حبشہ حضرت جعفر کی تقریر سن کر مشرف باسلام ہوا۔ ہجرت سے قبل مدینہ کے ۷۰ آدمیوں نے مقام منیٰ میں آپ کے دست مبارک پر بیعت کی۔ مصعب بن عمیر کے وعظ سے ایک ہی دن میں تمام قبیلہ بنی عبدالاشہل مدینہ منورہ میں مشرف باسلام ہوا۔ بعد ازاں باقی ماندہ انصار بھی مشرف باسلام ہوئے۔ یہ سب قبائل جہاد کا حکم نازل ہونے سے پہلے ہی مسلمان ہوئے اور ابو بکر صدیق، فاروق اعظم، عثمان غنی، علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہم اجمعین، جنھوں نے چہار دانگ عالم میں اسلام کا ڈنکا بجایا۔ یہ بہادرانِ اسلام بھی آیت جہاد وقتال کے نازل ہونے سے پہلے ہی اسلام کے حلقہ بگوش بن چکے تھے۔

۳۔ نجران اور شام کے نصاریٰ کو کسی نے مجبور نہیں کیا تھا۔۔۔۔ ہر طرف سے وفود کا تانتا بندھا ہوا تھا۔ وفود آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور اسلام قبول کرتے۔ جبر تو در کنار آپ نے تو ان کو بلانے کے لیے بھی کوئی قاصد نہیں بھیجا تھا۔

۴۔ مسئلہ جہاد اسلام کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ انبیاء سابقین کی شریعت میں بھی یہ مسئلہ موجود تھا۔

۵۔ سلاطین اسلام اگر لوگوں کو جبراً مسلمان بناتے یا اس قسم کی تدبیریں کرتے جو عیسائیت کے لیے کی گئیں اور کی جارہی ہیں تو کم از کم اسلامی قلمرو میں عیسائیوں کا نام ونشان بھی نہ ہوتا۔"[23] یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ حکومت کفر کے ساتھ تو چل سکتی ہے، مگر ظلم کے ساتھ نہیں۔ اگر مسلمانوں نے اسلام کی اشاعت میں تلوار کا سہارا لیا ہوتا یا بزور قوت مسلمان بناتے تو آج قبطیوں کا وہاں نام ونشان بھی نہ ہوتا۔ مسلمانوں ہی کے ذریعہ آج پھر اس دنیا میں امن وامان پیدا ہو سکتا ہے۔ اس لیے کہ اسلام اپنے حسن اخلاق اور اپنے ہمہ گیر نظام امن سے دنیا کو پھر امن سے بھرنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور امیر، غریب، کمزور اور قوی کو اپنا گرویدہ بنانے کی خصوصیت بھی رکھتا ہے۔

حسن خلق کا قیام:

اخلاق انسان کی اس عادت کا نام ہے جس کا اظہار بغیر تصنع کے ہوتا ہے۔ اخلاق ہی کی بدولت اسلام کو وسعت ملی۔ اخلاق کے ذریعے سے انسان دشمن کو بھی ماتحت کر لیتا ہے۔ آپ ﷺ کے حسن اخلاق کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ "۔[24] (اور بلاشبہ آپ اخلاق کے بہت بڑے مرتبے پر ہیں) آپ ﷺ کی ذات مبارک مسلمانوں کے لئے بہترین نمونہ ہے۔ اس ذات کامل نے ہمیں وہ نمونہ پیش کیا ہے جس میں ایک کتے کے ساتھ بھی حسن سلوک کو موجب رحمت و مغفرت بتایا گیا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہمیں اپنے اخلاقیات کو درست کرنا ہوگا تاکہ امن وسلامتی قائم ودائم رہے۔ یہ تبھی ممکن ہے کہ جب ہم ایک دوسرے کو عزت دیں اور ایک دوسرے کے لئے قوت برداشت کو پیدا کریں۔

مسلمانوں کی ردِّ عمل کی نفسیات کا خاتمہ:

کم وبیش پوری دنیا پر ماضی قریب میں پایا جانے والا مغربی تسلّط محض سیاسی اور معاشی نہ تھا بلکہ اس میں اس کے مذہبی اور تہذیبی تخریب کے عزائم بھی شامل تھے۔ اس لئے محض اسلامی دعوت مسئلے کا حل ثابت نہیں ہو سکتی تھی۔ اور برِّ صغیر میں چونکہ انگریزوں نے اقتدار مسلمانوں سے چھینا تھا، اس لئے مسلمان بحیثیتِ قوم، خاص طور پر ان کی عداوت اور بغض کا نشانہ بنے رہے۔ ایسے حالات، اسلامی دعوت کی اجازت نہیں دے سکتے تھے۔ کیوں کہ غلام قوم کا کوئی مذہب نہیں ہوتا۔ اس کو اپنے آقا کے مذہب کے مطابق جینا پڑتا ہے۔ غلامی سے آزادی حاصل کرنے کے بعد ہی کوئی قوم اپنے مذہب کی حفاظت کر سکتی ہے۔ اس غلامی کے دور میں مسلمان علماء اپنے اپنے دائرۂ کار میں رہتے ہوئے آزادی حاصل کرنے کے لئے جدوجہد میں مصروف رہے۔ اور ان کا یہ کام لائقِ تحسین ہے۔ "جدید تعلیم نے معاشی اور سیاسی حیثیت سے ہندوستان کے مسلمانوں کو خواہ کتنا ہی فائدہ پہنچایا ہو، مگر ان کے مذہب اور ان کی تہذیب کو جو نقصان

پہنچایا ہے اس کی تلافی کسی فائدے سے نہیں ہو سکتی"[25]اس صورتِ حال کا مزید نقصان یہ ہوا کہ دوسری قوتوں سے ہمارا صحیح اسلامی رشتہ قائم نہ ہو سکا۔ مسلمان کے لئے دوسری قوتیں مدعو کی حیثیت رکھتی ہیں۔ مگر مذکورہ منفی نفسیات کا یہ نتیجہ ہوا کہ ہم نے ان قوموں کو مدعو نہ سمجھا، ان کو صرف حریف کی نظر سے دیکھا۔ نتیجتاً، اسلامی تحریکیں پیغامِ آخرت کی تحریکیں نہ رہیں بلکہ پیغامِ سیاست کی تحریکیں بن گئیں۔ ان تحریکوں نے انداز کے فرق کے ساتھ، جساسلام کو واقف کرایا وہ محض ایک قسم کا قومی اسلام تھا نہ کہ خُدا کا وہ دین جو انسانوں کو آخرت کی ابدی کامیابی کا راستہ دکھانے کے لئے آیا ہے۔ داعی اور مدعو کا تعلق حریف اور مدمقابل کا تعلق بن کر رہ گیا۔[26]

سودی نظام کا خاتمہ:

سود ایک ایسی بیماری ہے جس میں وطن عزیز کے باشندے بالواسطہ اور بلاواسطہ دونوں اطراف سے لپیٹ میں ہیں۔ جب ایسی صورت ہو تو زندگیاں برکت سے خالی ہوتی ہیں۔ پاکستان کیونکہ اسلامی ملک ہے، اس میں سود جیسی بیماری کا ہونا تکلیف دہ عمل ہے۔ حکومت وقت اس پر کمیٹی بنا کر اس مسئلہ کا فوری حل نکالے اور سود جیسی بیماری سے عوام کو نجات دلائے۔

فلاح وبہبود کا قیام:

فلاح و بہبود کا قیام قوموں کی ترقی کی علامت ہوتا ہے اور اسلام کا نقطہ نظر ہی انسانیت کی خدمت ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ حکومت وقت خلافت راشدہ کے نظام کو سامنے رکھتے ہوئے پاکستان میں امن کی صورت حال کو قائم و دائم رکھے۔ مثلاً صاف پانی کے نظام کی تصحیح، ہسپتالوں کے نظام کی تصحیح، دیہی علاقوں کی ضروریات کی طرف توجہ، گداگری کا خاتمہ، اخلاق رزیلہ کا خاتمہ، یہ سب ایک اسلامی تہذیب کے ذریعے ہی ممکن ہے اور اسلامی تہذیب کا پرچار، نافذ العمل اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے۔

خارجہ پالیسی کا قیام:

پاکستان میں امن و سلامتی کی فضا کو قائم و دائم رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ خارجہ پالیسی اسلامی اصولوں کے ساتھ مرتب کی جائے، تاکہ تجارتی تعلقات کی بدولت معیشت مضبوط ہو اور پاکستان کا ہر باشندہ خوشحالی کی زندگی بسر کر سکے۔ اس سلسلے میں اسلامی ریاست غیر مسلم ریاستوں سے اپنے تعلقات بدلے کے اصول پر مرتب کرے۔ "الامر بیننا و بین الکفار مبنی علی المجازۃ"۔[27](ہمارے اور کفار کے درمیان تعلقات مجازات برابری کی بنیاد پر ہوں گے)

چنانچہ یہ صورت تجارت سے سفارتکاری تک ہر سطح پر اختیار کی جائے۔ اگر دوسری ریاستیں بدعہدی کریں تو اسلامی ریاست کے لئے بد عہدی جائز نہیں ہو گی۔

اختلافی مسائل کا حل:

برصغیر کا یہ المیہ ہے کہ ہر مکتب فکر ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنائے ہوئے ہے۔ جو چھوٹے چھوٹے مسائل میں فروعی اختلافات ہیں، انہیں عوام میں بیان کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ اختلاف تو فطری تقاضا ہے۔ "آدمی کا یہ حال ہے کہ باوجود آدمی ہونے کے نہ کسی کی صورت دوسروں کی صورتوں سے ملتی ہے۔ نہ آنکھیں ملتی ہیں نہ ناک۔۔ تجربہ نے یہ ثابت کیا ہے کہ دو آدمیوں کی طبیعت بالکل ہر جہت اور ہر لحاظ سے ایک نہیں ہوسکتی۔ جس طرح سمجھا جاتا ہے کہ ایک شخص کا انگوٹھے کا نشان دوسروں کے نشان سے نہیں مل سکتا۔"[28] آج فن اختلاف میں ہم مہارت حاصل کیے ہوئے ہیں، جس کی بدولت داخلی انتشار وافتراق کے ہم ایسے شکار ہوئے کہ اس نے ہمیں اس ناکام زندگی کے دن دکھائے اور ہر میدان میں مسلمان اتنے درماندہ اور زوال پذیر ہوئے کہ ان کی ہوا ہی اکھڑ گئی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:"وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَ تَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَ اصْبِرُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ"۔[29]

(اور آپس میں جھگڑا (اور اختلاف) نہ کیا کرو کہ اس سے تم کمزور ہو جاؤ گے، اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی) گزشتہ اہل مذاہب اور ادیان کی بیماریوں سے بچنے اور عبرت حاصل کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:"مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَ كَانُوْا شِيَعًا ؕ كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ"۔[30] (جنہوں نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اپنے دین کو اور وہ مختلف گروہ (اور گروپ) بن گئے ہر فرقہ اپنے اسی طریقے پر نازاں (اور اسی میں مست و مگن) ہے جو اس کے پاس ہے) وہ اختلاف جو انتشار افتراق کا سبب بنے اسے اللہ تعالیٰ نے سیرت نبوی ﷺ سے دور قرار دے کر رسول اللہ ﷺ کی طرف اس کا انتساب بھی ختم کر دیا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَ كَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ؕ اِنَّمَاۤ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۔[31] (بیشک جن لوگوں نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اپنے دین کو، اور وہ مختلف (فرقے اور) گروہ بن گئے آپس میں، آپ کا ان سے (اے پیغمبر!) کوئی واسطہ نہیں، ان کا معاملہ تو اللہ ہی کے حوالے ہے، پھر قیامت کے دن وہ ان کو خبر کر دے گا ان کے ان تمام کاموں کی جو یہ کرتے رہے تھے)

آج مسلمان اکثر میدانوں میں مادی وسائل واسباب کے اعتبار سے خود کفیل ہیں مگر مظلوم، کمزور اور بے بس بھی۔ اس لئے کہ وہ اسلامی اقدار وروایت سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں اور ان مشترکہ تجزیاتی بنیادوں سے دور ہو چکے ہیں۔ اب ضرورت اس امر کی ہے کہ "ہماری دعوت یہ ہے کہ وہی پرانا رنگ اپنایا جائے اور معتدل و منظم فکر مسلم دوبارہ بیدار کی جائے جس کی صرف ایک صورت ہے کہ کتاب و سنت اور ان کتب اصول کی طرف رجوع کیا جائے جن میں ہمارے علماء نے ضبط رائے کے لئے قیاس واستنباط کے آداب اور قواعد وضوابط مرتب فرمادیے ہیں۔ ایسے مطالعہ کو فروغ دینا بھی ضروری ہے جو اتحاد امت اور اس کے مشترک تجزیے کی بنیاد مضبوط کرے۔ اسی طرح ایک ایسا تربیتی نصاب تیار ہونا چاہیے جو علم و دانش کے صحیح آداب سے مزین ہو اور اتحاد پیدا کرنے والے مواد تو پیش کیے جاتے رہیں مگر رفض وخروج اور اختلافی کتابوں پر زیادہ توجہ نہ دی جائے۔"[32] اختلاف کے خطرے اور اس کے نقصانات کا اندازہ حضرت ہارونؑ کے واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ انہوں نے اختلاف کو گویا بتوں کی پرستش سے بھی زیادہ خطرناک سمجھا۔ جب موسیٰؑ واپس آئے تو اپنے

بھائی کو سخت ملامت کی، جس کے جواب میں انہوں نے صرف اتنا کہا جو ارشاد باری تعالیٰ ہے:قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِي وَ لَا بِرَأْسِي ۚ اِنِّي خَشِيْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِيٓ اِسْرَآءِيْلَ وَ لَمْ تَرْقُبْ قَوْلِيْ۔33 (ہارون علیہ السلام نے کہا اے میری ماں کے بیٹے، میری داڑھی مت پکڑو، اور نہ میرے سر (کے بالوں) کو (کھینچو اور میرا عذر بھی سن لو کہ) مجھے یہ ڈر تھا کہ تم آکر مجھ سے کہو گے کہ تم نے بنی اسرائیل میں پھوٹ ڈال دی اور میرے فیصلے کا انتظار نہ کیا،) مذکورہ تذکرے سے بھی واضح ہوتا ہے کہ اختلاف ایک فطری عمل ہے لیکن ایسا اختلاف واقع نہ ہونے دیا جائے جس میں باہمی عناد کا خطرہ ہو، امن کی بجائے انتشار کو فروغ ملے۔ کیونکہ انتشار اللہ کا عذاب ہے جب کوئی قوم نافرمان ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ ان کو آپس میں باہمی انتشار میں مبتلا کر دیتا ہے۔ قیام پاکستان اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ایک نعمت ہے، اس کی حفاظت ایمان کا حصہ ہے، اس کو تمام تر طاغوتی چالوں سے بچانا ہوگا تاکہ امن اسلام کا قیام ہو اور ایک اسلامی جمہوری پاکستان کی پہچان ہو۔

خلاصہ بحث:

پاکستان میں امن کے لئے ضروری ہے کہ اسلامی اصولوں کا پرچار ہو کیونکہ اسلام میں امن کا تصور اظہر من الشمس ہے۔ دین پر قائم رہنے کی کوشش کے ذریعے ہی باہمی رغبت، محبت، بھائی چارہ، رواداری، رحم و کرم کا قیام اور رد عمل کی نفسیات، ظلم و ناانصافی کا خاتمہ ممکن ہے۔ سرزمین پاکستان میں اتفاق و اتحاد کے ذریعے ہی امن و سلامتی کی بقاء ہے اور یہ تبھی ممکن ہے جب ہماری مذہبی جماعتیں ایک آواز ہو کر اسلام کے لئے کام کریں۔

سفارشات و تجاویز:

- سرزمین پاکستان میں امن و سلامتی کو قائم و دائم رکھنے کے لئے اسلامی شریعت کا نفاذ بہت ضروری ہے۔
- اخلاق حسنہ کو فروغ دینے کے ساتھ ساتھ اخلاق رذیلہ کے برے اثرات کو واضح کرنا ضروری ہے۔
- سرزمین پاکستان میں امن کا قیام اسلامی ریاست اور انصاف کے ذریعے ہی ممکن ہے۔
- امن و سلامتی کے قیام کے لئے معتدل و منظم فکر مسلم دوبارہ بیدار کی جائے، جس کی صرف ایک صورت ہے کہ کتاب و سنت اور ان کتب اصول کی طرف رجوع کیا جائے جن میں ہمارے علماء نے ضبط رائے کے لئے قیاس و استنباط کے آداب اور قواعد و ضوابط مرتب فرما دیے ہیں۔
- ایسے مطالعہ کو فروغ دینا بھی ضروری ہے جو اتحاد امت اور اس کے مشترک تجزیے کی بنیاد مضبوط کرے۔ اسی طرح ایک ایسا تربیتی نصاب تیار ہونا چاہیے جو علم و دانش کے صحیح آداب سے مزین ہو اور اتحاد پیدا کرنے میں ایک اہم کردار ادا کرے۔
- تمام مکاتب فکر کو اتحاد و یگانگت کی فضا قائم کرنا ہوگی۔ فروعی اختلاف کی وجہ سے باہمی دوریاں ختم کرنا ہوں گی اور عوام کے سامنے کبھی بھی ایک دوسرے کو برا نہ کہا جائے۔

[1] الفیروز آبادی، محمد بن یعقوب،القاموس المحیط،دار الحدیث، قاہرہ،۲۰۰۸ء، ص ۸۳

[2] ایضاً، ص ۸۳

[3] ابراہیم ۱۴، ۳۵

[4] المائدہ ۵، ۳۲

[5] الافریقی، ابن منظور، لسان العرب، دار المعارف، قاہرہ، ج ۱، ص ۱۰۶

[6] البقرہ ۲، ۱۳۱

[7] بخاری، محمد ابن اسمعیل، الجامع الصحیح للبخاری، کتاب الایمان، باب المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ، رقم الحدیث ۱۰۔

[8] التوبہ ۹، ۳۳

[9] آل عمران ۳، ۱۹

[10] الاصفہانی، راغب، امام، مفردات القرآن، (مترجم محمد عبدہ الفلاح فیروز آبادی) المکتبۃ القاسمیہ، لاہور، ۱۹۶۳ء، ج ۱، ص ۳۲۴

[11] وحید الدین خان، مولانا، تعبیر کی غلطی، مکتبہ الرسالہ، نئ دہلی، ۱۹۹۵ء، ص ۲۱۹

[12] اصلاحی، صدر الدین، مولانا، فرِیضہ اقامت دین، اسلامک پبلیکیشنز، لاہور ص ۱۳

[13] ایضاً، ص ۱۳

[14] تھانوی، اشرف علی، محمد، اسلام اور سیاست، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان، ۱۴۲۷ھ، ص ۲۲

[15] مودودی، ابو الاعلیٰ، سید، تجدید واحیائے دین، اسلامک پبلیکیشنز، لاہور، ص ۴۷۔۴۸

[16] ماہنامہ دار العلوم، دیوبند، دسمبر ۲۰۰۸ / وجنوری ۲۰۰۹ / ص ۷

[17] الاعراف ۷، ۱۹۹

[18] البخاری، محمد ابن اسمعیل، الجامع الصحیح للبخاری، کتاب المناقب، باب صفۃ النبیؐ، قدیمی کتب خانہ کراچی

[19] نعمانی، شبلی، مولانا، سیرت النبی، ادارہ اسلامیات، لاہور ۲۰۰۵ء، حصہ دوم، ص ۵۹۹

[20] ایضاًص ۶۰۳

[21] القصص ۲۸، ۷۷

[22] ماہنامہ دار العلوم، دیوبند، دسمبر ۲۰۰۸ / وجنوری ۲۰۰۹ / ص ۶

[23] واقدی، علامہ محمد بن عمر، صحابہ کرام کے جنگی معرکے المعروف بہ فتوح الشام، مترجم (شبیر احمد انصاری) مکتبہ اخوت، لاہور، ص ۲۷-۲۶

[24] القلم ۴، ۶۸

[25] مودودی، ابو الاعلیٰ، سید، تنقیحات، اسلامک پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۱۵، ص ۲۷

[26] وحید الدین خاں، مولانا، احیاءِ اسلام، ملک پبلیکیشنز، لاہور، ص ۳۶، ۳۷،

[27] السرخسی، محمد بن عبد اللہ، شرح السیر الکبیر، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۹۹۷ء، ج ۵، ص ۲۸۵

[28] گیلانی، مناظر احسن، مولانا، مقدمہ تدوین فقہ، مکتبہ رشیدیہ، لاہور ۱۹۷۶ء، ص ۱۸۲، ۱۸۱

[29] الانفال ۸، ۴۶

[30] الروم ۳۰، ۳۲

[31] الانعام ۶، ۱۵۹

[32] العلوانی، طہ جابر فیاض، ڈاکٹر، اسلام میں اختلاف کے اصول و آداب، الفرقان ٹرسٹ، مظفر گڑھ، ص ۱۷

[33] طہ ۲۰، ۹۴